حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی اُموی رحمۃ اللہ علیہ　　دوسری وآخری قسط

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اب اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا جنگ کے لیے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعتِ ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اسی باب کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف ومشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل جہنم میں ہے۔''

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو'' جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گناہ گار نہیں ہوئے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمارہ عشرہ مبشرہ میں ہے، جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انھیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان کا طرزِ عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا۔ جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا، ان سے برأت کا اظہار کرنا اور انھیں فاسق قرار دینا، ان کے فضائل ومجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا، تو انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ لَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (البقرۃ 141)

یہ ایک اُمّت تھی جو گزر گئی، اس کے اعمال اس کے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:

''یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو اس میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ

نہیں کروں گا۔'' مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو، کسی معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو مشاجرات ہوئے، ان کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی۔ وہ حضرات آپ کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوّت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے۔ بالکل یہی معاملہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آنے والے واقعات کا بھی ہے۔''

اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جہاں تک خونریزی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف تھا۔''

حضرت حسن بصریؒ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ:

''یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ہم غائب۔ وہ پورے حالات کو جانتے تھے ہم نہیں جانتے۔ جس معاملہ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے۔ ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔''

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہ بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی۔ ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں اور جس میں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں۔ اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان حضرات نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ کی خوشنودی چاہی تھی۔ اس لیے دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔''

اس طویل عبارت میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ سنت کے عقیدے کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے۔ عبارت کے شروع میں انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ان سے اس مسئلہ پر بطور خاص روشنی پڑتی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور ان دس خوش نصیب حضرات میں آپ کا بھی نام ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے اور جنھیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ ان دونوں حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں ان دونوں حضرات کو شہید قرار دیا۔ دوسری طرف عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرگرم ساتھیوں میں سے تھے اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کا مقابلہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی۔ غور کیا جائے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا بلکہ ہر ایک فریق اللہ کی رضا کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لیے بیک وقت شہادت کی پیشین گوئی نہ فرمائی جاتی۔ ان ارشادات نے یہ واضح کر دیا کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑ رہے تھے اس لیے وہ بھی شہید ہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے وہ بھی لائق مدح وستائش ہیں۔ دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں بلکہ اجتہاد و رائے کی بنا پر تھا اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح ومطعون نہیں کیا جا سکتا۔

یہ عقل وانصاف کا فیصلہ ہے یا تحقیقِ حق سے فرار:

غور فرمائیے کہ ہنگامی حالات اور منافقین وروافض وخوارج کی روایات کے شیوع نے روایات میں جو تلبیس اور شبہات پیدا کر دیے تھے، ایسے حالات میں حضرت حسن بصریؒ نے جو فیصلہ فرمایا وہ عقلِ سلیم اور عین عدل وانصاف کا فیصلہ ہے یا اندھی عقیدت مندی اور تحقیقِ حق سے فرار۔ نعوذ باللہ منہ۔

یہاں غور طلب یہ ہے کہ حضرت حسن بصریؒ جو اجلّہ تابعین میں سے صحابہ کرام کو دیکھنے والے ہیں، وہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات میں پیش آنے والے ہنگاموں کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ: ''ہمیں ان کے حالات معلوم نہیں''، جس کا حاصل یہ ہے کہ حالات کا ایسا علم یقینی شرعی اصول کے مطابق نہیں ہے۔ جس کی بنا پر کسی شخصیت پر کوئی الزام لگایا جا سکے۔

بعد کے آنے والے مؤرخین خواہ وہ ائمہ حدیث بھی ہوں جیسے ابن جریر ابن اثیر وغیرہ۔ ان کو صدیوں کے بعد ان حالات کا علم اِس پیمانے پر کیسے ہو سکتا تھا جن پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد رکھی جا سکے؟ اور نہ انھوں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ فن تاریخ کا جو چلا ہوا دستور، ہر طرح کی موافق، مخالف، صحیح، سقیم روایات جمع کر دینا ہے، اس کے مطابق انھوں نے اپنی تاریخ میں ہر طرح کی روایات جمع کی ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کا یہ فیصلہ تو ایسا ہے کہ اس میں کسی عقیدہ اور مذہب کا دخل نہیں، کوئی غیر مسلم بھی اگر انصاف پسند ہو تو اس کو بھی روایات تاریخی کے التباس وتضاد کے عالم میں اس کے سوا کسی فیصلے کی گنجائش نہیں کہ بے خبری اور ضروری قابل اعتماد معلومات نہ ہونے کی بنا پر سکوت کو اسلم قرار دے۔

اور جن حضرات علماء نے قرآن وسنت کی نصوص کی بنا پر یہ قرار دیا کہ ''ان میں سے جس کسی پر کوئی واقعی الزام

کسی گناہ وخطا کا ثابت بھی ہو جائے تو انجام کار وہ اس گناہ وخطا سے بھی عنداللہ بری ہو چکے ہیں۔اس لیے اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ ان کے ایسے اعمال کو مشغلہ بحث بنائے۔''اس کا مستشرقین انکار کریں تو کر سکتے ہیں کہ ان کا قرآن ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں وہ ان کے ارشادات کو بھی غلط بتلاتے ہیں۔ان کی بنا پر کسی کی توثیق وتعدیل کیسے کریں۔ مگر کسی مسلمان کے لیے ان کی مدافعت میں بھی اس کی گنجائش نہیں کہ ان کے اس کفر وانکار کو تسلیم کر کے اس بحث میں الجھ جائے جس کا جال مستشرقین نے اسی لیے پھیلایا ہے کہ قرآن وسنت سے ناواقف یا بے فکر مسلمان اس میں الجھ کر اپنے صحابہ کرام کے مقدس گروہ کا اعتماد کھو بیٹھیں۔ایسے لوگوں کی مدافعت بھی کرنا ہے تو اس کا محاذ یہ نہیں کہ جہاں وہ مسلمانوں کو کھینچ کر لانا چاہتے ہیں، بلکہ ان کی جنگ کا محاذ یہ ہے کہ ان سے قرآن ورسول کی حقانیت اور صدق پر کلام کیا جائے۔جو اس کو نہیں مانتا،اس سے مسلمانوں کے گروہ وجماعت کا تقدس منوانے کا کیا راستہ ہے۔ایسے حالات میں تو مسلمان کی راہ عمل قرآن نے بتلا دی ہے کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (الکافرون 6) یعنی ''تمھارے لیے تمھارا دین ہے، ہمارے لیے ہمارا'' کہہ کر اپنے ایمان کی حفاظت اور اس کو مضبوط کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔مسلمانوں کو قرآن وسنت کی نصوص سے مطمئن کریں اور غیروں کے اعتراضات کی فکر چھوڑ دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور اُمّت نے جو مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کفّ لسان اور سکوت کو اسلم قرار دیا اور اس میں بحث مباحثہ کو خطرۂ ایمان بتلایا یہ کورانہ عقیدت مندی کا نتیجہ نہیں بلکہ عقلِ سلیم اور عدل وانصاف کا فیصلہ ہے۔

جن حضرات نے اس زمانے میں پھر ان مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو موضوع بحث بنا کر کتابیں لکھی ہیں، اگر واقعی ان کا مقصد اس سے ملحدین ومستشرقین کا جواب اور مدافعت ہے تو ان کا فرض ہے کہ یا تو حضرت حسن بصری کے طریق پر ان کو ان کی گمراہی پر متنبہ کریں کہ اعمال واخلاق اور کردار وعمل کے اعتبار سے جن انسانی ہستیوں کو دوست، دشمن، موافق، مخالف سب نے بڑی حیثیت دی ہے، ان کو بے اعتبار اور مجروح کرنے کے لیے جو ہتھیار تم استعمال کر رہے ہو، وہ ہتھیار کند وناکارہ ہیں۔تاریخ کی بے سند وتحقیق روایات سے کسی بھی شخصیت کو ملزم نہیں قرار دیا جا سکتا جب تک وہ تواتر کی حد کو نہ پہنچ جائیں۔یا پھر ان کو یہ بتلا دینا چاہیے کہ ہم بحمداللہ مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔جن شخصیتوں کی تعدیل وتوثیق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی، اس کے خلاف اگر کوئی بھی روایت ہمارے سامنے آئے گی، ہم اس کو بمقابلہ قرآن وسنت کی نصوص کے جھوٹ وافتراء یا کم از کم مرجوح اور مجروح قرار دیں گے۔**هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة انا و من اتبعني.**

ان دونوں طریقوں کے سوا کوئی تیسرا طریقہ مستشرقین وملحدین کی مدافعت کا نہیں ہو سکتا اور اگر خدانخواستہ اس بحث سے مقصود مدافعت نہیں، محض تحقیق وریسرچ کا شوق پورا کرنا ہے تو یہ نہ اپنے ایمان کے لیے کوئی اچھا عمل ہے، نہ مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی خدمت۔

دردمندانہ گزارش:

میں اس وقت اپنی عمر کے آخری ایام مختلف قسم کے امراض اور روز افزوں ضعف کی حالت میں گزار رہا ہوں۔ زندگی سے دور موت سے قریب ہوں۔ یہ وہ وقت ہے جس میں فاسق، فاجر بھی توبہ کی طرف لوٹتا ہے، جھوٹا آدمی سچ بولنے لگتا ہے۔ ضدی آدمی اپنی ضد چھوڑ دیتا ہے۔

گریۂ شام سے تو کچھ نہ ہوا　　ان تک اب نالۂ سحر جائے
دلِ مجروح کی صدا ہے یہ　　کاش دل میں ترے اتر جائے

اس وقت کسی تصنیف وتالیف کے شوق نے مجھے یہ صفحات نہیں لکھوائے بلکہ اُمّت مسلمہ کا وہ سویا ہوا فتنہ جس نے اپنے وقت میں ہزاروں لاکھوں کو گمراہ کر دیا تھا۔ اس وقت ملحدین اور مستشرقین کی گہری چال سے اس کو پھر بیدار کر کے مسلمانوں کو تباہ کرنے والے بہت سے فتنوں میں سے ایک اور نئے فتنے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ ملحدین اور مستشرقین کی شرارتوں اور اسلام دشمن رویوں سے ہمارے عوام اور نوتعلیم یافتہ حضرات نہ سہی، مگر علم وبصیرت رکھنے والے مسلمان تو کم از کم واقف ہیں۔ ان کی باتوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے، مگر ہمارے ہی مسلمان اہل قلم حضرات کی ان کتابوں نے وہ کام پورا کر دیا جو مستشرقین نہ کر سکتے تھے کہ خود لکھے پڑھے اہلِ علم اور پختہ ایمان مسلمانوں کے ذہنوں کو صحابہ کرام کے بارے میں متزلزل کر دیا اور حدود و مذہب و دین سے آزاد علوم قرآن وسنت سے بے خبر نوتعلیم یافتہ نوجوانوں میں تو ان حضرات پر اس طرح طعن وتشنیع اور جرح وتنقید ہونے لگی جیسے موجودہ زمانے کے اقتدار پرست لیڈروں پر ہوتی ہے اور یہ گمراہی کا وہ درجہ ہے کہ اس کے بعد قرآن وسنت، توحید ورسالت اور اصولِ دین سبھی مجروح و ناقابل اعتبار ہو جاتے ہیں۔

اسی لیے عام مسلمانوں کی اور اپنے نوخیز تعلیم یافتہ طبقے کی اور خود ان حضرات مصنفین کی خیر خواہی اور نصیحت کے جذبے سے یہ صفحات سیاہ کیے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ ان میں اثر دے اور یہ حضرات میری گزارشات کو خالی الذہن ہوکر پڑھ لیں، جواب دہی کی فکر نہ کریں۔ اپنی آخرت کو سامنے رکھ کر اس پر غور کریں کہ نجاتِ آخرت کا راستہ جمہور اُمّت کی راہ سے الگ نہیں ہوسکتا۔ جس معاملہ میں ان حضرات نے سکوت اور کفّ لسان کو اختیار کیا، وہ کسی بزدلی یا خوف مخالف سے نہیں بلکہ عقل سلیم اور اصول دین کے مطابق سمجھ کر اختیار کیا۔ ان کے طریق سے الگ ہوکر محققانہ بہادری دکھانا کوئی اچھا کام نہیں ہوسکتا۔ اگر اپنی کوئی غلطی واضح ہو جائے تو آئندہ اس سے بچنے اور مسلمانوں کو بچانے کا اہتمام کریں اور جتنا ہو سکے سابقہ غلطی کا تدارک کریں۔ یہ بحثیں اور سوال وجواب کی طمطراق بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے اور اس کا ثواب یا عذاب باقی رہنے والا ہے۔ **ما عندکم ینفذ و ما عنداللّٰہ باق.**

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم　　نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

و ما علینا الّا البلاغ المبین